Allama Iqbal Open University AIOU B.A Associate degree Solved Assignment NO 1 Autumn 2025 Code 437 Islamiyat (E)

www.studyvillas.com

سوال نمبر *1*: سورۃ آل عمران میں دنیاوی لذتوں کے مقابلے میں آخرت کی کون سی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ بیان کریں۔

سورۃ آلِ عمران قرآنِ کریم کی تیسری سورت ہے، جو اہلِ ایمان کو دنیا اور آخرت کے درمیان فرق سمجھانے، اور ان کے دلوں میں آخرت کی دائمی نعمتوں کی محبت پیدا کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں بتایا ہے کہ دنیاوی لذتیں عارضی اور فانی ہیں، جبکہ آخرت کی نعمتیں ابدی، دائمی اور حقیقی ہیں۔ قرآنِ مجید کے مطابق انسان کو دنیا میں آزمائش کے طور پر رکھا گیا ہے، اور جو لوگ دنیا کی فانی لذتوں پر آخرت کی ابدی خوشیوں کو ترجیح دیتے ہیں، وہی کامیاب ہیں۔

دنیاوی لذتوں کا ذکر

سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر *14* میں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی لذتوں کا ایک جامع نقشہ کھینچا ہے، جو انسانی خواہشات کو ظاہر کرتا ہے:

ترجمہ:
"لوگوں کے لیے دلکش بنا دی گئی ہے عورتوں کی محبت، بیٹوں کی محبت، سونے چاندی کے ڈھیروں، نشان دار گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتوں کی۔ یہ سب

دنیاوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ٹھکانا ہے۔"
(سورہ آلِ عمران: *14*)

اس آیت میں دنیاوی لذتوں کی چند نمایاں مثالیں بیان کی گئی ہیں:

1. **عورتوں کی محبت:** یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، لیکن اگر یہ محبت اللہ کی حدود سے تجاوز کرے تو یہ آزمائش بن جاتی ہے۔

2. **اولاد کی محبت:** انسان اپنی نسل کے تسلسل کو پسند کرتا ہے، مگر جب اولاد کی محبت اسے دینی فرائض سے غافل کر دے، تو یہی محبت نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

3. **مال و دولت:** سونا، چاندی، زیورات اور دنیاوی مال و دولت انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

4. **سواری اور آسائش:** اس دور میں گھوڑوں کی مثال دی گئی ہے، مگر آج کے دور میں کاریں، جہاز اور دیگر سہولیات اسی زمرے میں آتی ہیں۔

5. **زرعی پیداوار:** کھیت کھلیان، باغات اور جائدادیں انسان کے لیے دنیاوی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔

یہ سب چیزیں بظاہر خوبصورت اور دلکش ہیں، مگر قرآن یہ بتاتا ہے کہ ان کی حقیقت عارضی ہے۔ ان کا انجام فنا ہے، اور ان پر فخر کرنا یا انہیں مقصدِ حیات بنانا ایک بڑی غلطی ہے۔

آخرت کی نعمتوں کا بیان

www.studyvillas.com

دنیاوی لذتوں کے مقابلے میں قرآن نے آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ انتہائی پرکشش انداز میں کیا ہے تاکہ مومن کے دل میں ایمان کی قوت پیدا ہو اور وہ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر *15* میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:
"کہہ دو: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہوگی۔"
(سورہ آلِ عمران: 15)

یہ آیت دنیاوی فانی نعمتوں کے مقابلے میں آخرت کی ابدی نعمتوں کو پیش کرتی ہے۔ ان میں درج ذیل نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

1. **جنت کے باغات:** جہاں گھنی سبزیاں، پھل، پھول اور خوشبودار درخت ہوں گے۔

2. **نہریں:** جنت میں نہریں دودھ، شہد، شرابِ طہور اور پانی کی ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔

3. **ہمیشہ رہنے کی نعمت:** دنیا کی ہر خوشی وقتی ہے، مگر جنت کی خوشیاں ہمیشہ کے لیے ہیں۔

4. **پاکیزہ بیویاں:** جو دنیا کی عورتوں یا حوروں کی شکل میں مومن کے لیے نعمت ہوں گی۔

www.studyvillas.com

5. **اللہ کی خوشنودی:** سب سے بڑی نعمت، جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ وہ خوشی ہے جو ابدی اور غیر فانی ہے۔

یہ آیات انسان کو ایک واضح پیغام دیتی ہیں کہ دنیا کی عارضی آسائشوں پر آخرت کی دائمی کامیابی کو ترجیح دینا ہی حقیقی ایمان کی علامت ہے۔

دنیا اور آخرت کا تقابلی جائزہ

دنیا اور آخرت کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا وقتی، ناپائیدار اور ظاہری ہے جبکہ آخرت دائمی، پائیدار اور حقیقی ہے۔ دنیا کی مثال ایک عارضی امتحان کی طرح ہے جہاں انسان کو اپنے ایمان، صبر، اور تقویٰ کے ذریعے کامیابی حاصل کرنی ہے۔

پہلو	دنیاوی زندگی	اخروی زندگی
مدت	عارضی، محدود	ابدی، دائمی
لذتیں	جسمانی، مادی	روحانی، پاکیزہ
حقیقت	فریب، وقتی آسائش	حقیقت، ابدی راحت
انجام	فنا، موت کے ساتھ اختتام	بقا، کبھی ختم نہ ہونے والی خوشی
انعام	وقتی فائدہ، فخر	جنت، رضائے الٰہی

اللہ کی رضا – سب سے بڑی نعمت

www.studyvillas.com

قرآن نے جنت کی تمام نعمتوں کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ **"رضوانٌ من اللہ"** یعنی اللہ کی خوشنودی ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جب اللہ اپنے بندے سے راضی ہو جائے تو اسے نہ کسی چیز کی کمی رہتی ہے، نہ کوئی خوف۔ دنیاوی مال و دولت، اقتدار یا لذتیں انسان کو کبھی مکمل سکون نہیں دے سکتیں، لیکن اللہ کی رضا انسان کے دل کو وہ اطمینان عطا کرتی ہے جو کسی دنیاوی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

دنیاوی نعمتوں کی حقیقت

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر دنیاوی نعمتوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ صرف ایک کھیل، تماشہ، اور آزمائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ"

(سورۃ آلِ عمران: 185)

ترجمہ: "اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔"

یہ آیت ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ دنیا کی چمک دمک میں کھو جانا انسان کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے۔ جو شخص دنیا کے لیے جیتا ہے وہ فنا کے لیے جیتا ہے، مگر جو آخرت کے لیے جیتا ہے وہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل کرتا ہے۔

سورۃ آل عمران کا پیغام

سورۃ آل عمران کا مرکزی پیغام یہی ہے کہ ایمان والا شخص دنیا کے عارضی ساز و سامان پر مطمئن نہ ہو بلکہ اپنے اعمال کو آخرت کے لیے بہتر بنائے۔ اس سورت میں اہلِ ایمان کو صبر، تقویٰ، اور استقامت کا درس دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"

(سورہ آلِ عمران: 200)

ترجمہ: "اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدم رہو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

www.studyvillas.com

نتیجہ

سورۃ آلِ عمران میں دنیاوی لذتوں اور اخروی نعمتوں کے درمیان واضح فرق بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سکھایا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے۔ دنیا کی نعمتیں انسان کو وقتی خوشی تو دے سکتی ہیں مگر ابدی سکون صرف جنت اور اللہ کی رضا میں ہے۔ جو شخص دنیا میں تقویٰ، صبر، اور ایمان کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اس کے لیے آخرت میں ابدی کامیابی مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی عارضی زیب و زینت سے دھوکہ نہ کھانے اور آخرت کی دائمی نعمتوں کے حصول کے لیے محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

www.studyvillas.com

سوال نمبر 2:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

(سورۃ آلِ عمران: *19*)

ترجمہ:

بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ اختلاف میں نہ پڑے مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا، اور یہ اختلاف انہوں نے آپس کی ضد اور حسد سے کیا۔

تشریح:

یہ آیتِ مبارکہ دینِ اسلام کی حقیقت، اس کی حقانیت، اور پچھلی امتوں کے باہمی اختلافات کی وجوہات کو واضح انداز میں بیان کرتی ہے۔ قرآنِ کریم اس آیت میں اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک واحد مقبول دین اسلام ہے، جو صرف ایک مخصوص قوم یا زمانے کے لیے نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا مکمل ضابطہ ہے۔

1. "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ" – دین صرف اسلام ہے

لفظ **"الدین"** کا مطلب ہے "نظامِ زندگی" یا "اللہ کے احکام کے مطابق بندگی کا طریقہ"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر اعلان فرما رہا ہے کہ اس کے نزدیک دین صرف **اسلام** ہے۔ اسلام کا مطلب ہے **اطاعت، فرمانبرداری، اور اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا۔**

www.studyvillas.com

اسلام دراصل وہی دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، اور حضرت محمد ﷺ سب نے ایک ہی پیغام دیا — کہ انسان اللہ کی وحدانیت کو مانے اور اسی کے حکم کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا، اسلام کسی مخصوص زمانے یا قوم کا مذہب نہیں بلکہ یہ تمام انبیاء کا واحد دین ہے، جس کی بنیاد **توحید، عدل، اخلاق، اور اطاعتِ الٰہی** پر ہے۔

قرآن کی ایک اور آیت میں فرمایا گیا:
"وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ"
(سورہ آل عمران: 85)
ترجمہ: "اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا، وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

یہ اعلان اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی نجات صرف اسلام کے دامن میں ہے۔

---

2. "وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ" – اہلِ کتاب کا اختلاف

یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جنہیں اللہ کی طرف سے آسمانی کتابیں عطا کی گئیں، یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان کے پاس علمِ الٰہی، وحی، اور انبیاء کی تعلیمات موجود تھیں۔ ان پر اللہ کا فضل تھا کہ وہ ہدایت کے وارث بنائے گئے، مگر باوجود اس کے وہ اختلافات کا شکار ہو گئے۔

یہ اختلاف کسی لاعلمی یا جہالت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ **"بَغْيًا بَيْنَهُمْ"** یعنی **حسد، ضد، اور تکبر** کی بنیاد پر پیدا ہوا۔ انہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اسے چھپایا، بگاڑا، اور اپنے مفادات کے لیے دین میں تبدیلیاں کیں۔

www.studyvillas.com

مثلاً:

- یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کیا۔
- عیسائیوں نے توحید کو چھوڑ کر تثلیث (تین خداؤں کا عقیدہ) اختیار کیا۔
- دونوں امتوں نے دنیاوی مفادات کے لیے دین کے احکام میں تحریف کی۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ بتا رہا ہے کہ **اختلاف کا اصل سبب علم کی کمی نہیں بلکہ دلوں کی بیماری، انا پرستی، اور خود غرضی** تھی۔

---

3. آیت کا تعلق نبی اکرم ﷺ کے دور سے

یہ آیت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس وقت نازل ہوئی جب یہود و نصاریٰ کے بعض علما اسلام کی حقانیت کو جانتے تھے، لیکن اپنے مذہبی اثر و رسوخ کھونے کے خوف سے اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے، مگر انکار اس لیے کرتے تھے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان کی قیادت، مرتبہ اور دنیاوی فائدے ختم ہو جائیں گے۔

اسی ضد اور حسد نے انہیں اختلاف کی راہ پر ڈال دیا، اور انہوں نے جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔

قرآن نے ایک اور مقام پر فرمایا:
"الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ"
(سورۃ البقرۃ: 146)

www.studyvillas.com

ترجمہ: "جنہیں ہم نے کتاب دی، وہ رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا اختلاف علمی نہیں بلکہ **عمداً کیا گیا اختلاف** تھا۔

---

4. "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" – حسد اور ضد کی بنیاد پر اختلاف

لفظ **"بَغْيًا"** عربی میں ظلم، زیادتی، اور حسد کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ان کے اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے پر برتری چاہتے تھے۔ جب کوئی نبی آتا تو اس کی قوم کے سردار اور علما حسد کرتے کہ اب قیادت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

اسی حسد نے انہیں ہدایت سے محروم کر دیا۔ یہی حسد ابلیس کو بھی گمراہی کی طرف لے گیا تھا جب اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

---

5. آیت کا پیغام اور اس کا اخلاقی پہلو

یہ آیت ہمیں ایک بنیادی سبق دیتی ہے کہ:

- دین اللہ کے نزدیک صرف **اسلام** ہے، یعنی اللہ کی مکمل اطاعت۔
- علم کے باوجود ضد، حسد، اور انا انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔
- امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اختلافِ رائے کو دشمنی نہ بنائے، بلکہ علم اور تقویٰ کے ساتھ دین کی تعلیمات پر عمل کرے۔

www.studyvillas.com

اسلام میں علم کا مقصد **اختلاف پیدا کرنا نہیں بلکہ اتحاد، انصاف، اور ہدایت** قائم کرنا ہے۔

---

6. عصرِ حاضر میں اس آیت کی اہمیت

آج کے زمانے میں بھی مسلمان دنیا بھر میں مختلف فرقوں، گروہوں اور مفادات کی بنیاد پر منقسم ہیں۔ یہ آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اختلاف ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے جب وہ **بغض، ضد، اور حسد** پر مبنی ہو۔ اگر اختلاف علم اور تحقیق کی بنیاد پر ہو تو یہ رحمت ہے، لیکن اگر دل کی کجی پر ہو تو یہ زحمت ہے۔

لہٰذا، اس آیت کا پیغام آج بھی ویسا ہی ہے جیسا نزول کے وقت تھا:
اللہ کے نزدیک صرف وہی دین قابلِ قبول ہے جو خالص اسلام پر مبنی ہو، اور جو لوگ جان بوجھ کر حق سے انحراف کرتے ہیں، وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔

---

7. خلاصہ *(Summary)*

- دین صرف اور صرف اسلام ہے، کیونکہ یہی دین تمام انبیاء کی دعوت کا مرکز رہا۔
- اہلِ کتاب اختلاف میں پڑے علم کی کمی سے نہیں بلکہ ضد اور حسد کی وجہ سے۔
- اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ نجات صرف اسلام میں ہے۔

www.studywillas.com

- امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرے اور نفس و دنیا کی خواہشات سے بچ کر خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے۔

نتیجہ:

یہ آیت انسان کو بتاتی ہے کہ دین ایک ہی ہے — اسلام۔ علم اگر تقویٰ کے ساتھ نہ ہو تو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ اہلِ کتاب نے علم کے باوجود حسد اور ضد سے اختلاف کیا، اسی لیے وہ گمراہی میں پڑ گئے۔ امتِ محمدیہ کو اس سے سبق لینا چاہیے کہ وہ بھی اپنے ذاتی مفادات، فرقہ واریت، اور ضد و عناد کو چھوڑ کر اللہ کے حکم کے مطابق ایک دین پر متحد ہو جائے۔ یہی نجات کی راہ ہے۔

www.studyvillas.com

سوال نمبر 3 – حضرت عیسیٰ علیہِ السلام کے بارے میں یہودیوں کے موقف کو تفصیل سے بیان کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہِ السلام (یسوع) کے بارے میں یہودی موقف یکساں نہیں رہا – تاریخ، مذہبی روایت، اور علمی تحقیق کے مختلف ادوار میں یہودی ردِ عمل و تشریح میں فرق دیکھا جاتا ہے۔ ذیل میں تاریخی، دینی، اور معاصر علمی زاویوں سے تفصیلی خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

1. ابتدائی دور (عصرِ مسیحیت سے پہلے اور اس کے وقت)

www.studyvillas.com

- **یہودیت میں اندرونی تنوع:** دورِ مسیحیت سے پہلے یہودی معاشرہ ایک جیسا نہیں تھا — اس میں فریسی، صدوقی، علمائے شریعت، اسّیسی *(Essene)* اور عام عوام شامل تھے۔ ہر گروہ کے مذہبی، مسیحائی اور سیاسی توقعات مختلف تھیں۔

- **یہودی روایت کے مطابق ردِ عمل:** انجیلوں کے بیانات کے مطابق کچھ یہودی گروہوں (کئی علماءِ دین، کاہن، اور مذہبی پیشواؤ) نے عیسیٰ کے بعض بیانات، ان کے عوامی کردار، اور ان کے بعض اعمال (مثلاً شریعت کی تعبیر میں اختلاف، مذہبی قیادت کی نافرمانی یا کچھ رسوم کی خلاف ورزی) کو بطورِ مسئلہ دیکھا اور مخالفت کی۔ انجیل میں فریسیوں اور بناہما کاہنوں کے درمیان متعدد اعتراضات درج ہیں۔

- **عام عوام کا ردِ عمل مخلوط تھا:** کچھ لوگ انہیں معلم، نبی یا معجزہ دکھانے والا سمجھتے، جبکہ بعض گروہ نے انہیں مسیح (مسیحا) کے طور پر قبول کیا — اس توجہ نے بعد میں یہودی اور مسیحی فرقوں کی

www.studyvillas.com

علیحدگی میں اہم کردار ادا کیا۔

2۔ مسیحائی دعوؤں کی نوعیت بمقابلہ یہودی مسیحائی توقعات

- **یہودی مسیحی توقعات *(Messianic expectations)*:** عہدِ سابقہ *(Tanakh)* میں مسیحا کے تصور کی کئی تعبیرات تھیں، مگر عمومی یہودی توقع یہ تھی کہ مسیحا ایک انسان (باالعموم شاہی یا سیاسی رہنما) ہو گا جو قومِ اسرائیل کو بیرونی ظلم و جبر سے نجات دلائے گا، سلطنت کو بحال کرے گا، بیت المقدس اور ہیکل (معبد) کی شان بحال کرے گا، اور عالمگیر امن و عدل قائم کرے گا۔

- **عیسیٰ کی تعلیمات اور رویہ:** عیسیٰ نے بعض جگہ روحانی اور اخلاقی اصلاح، توبہ، اور "ملکوتِ خدا" کے آنے کی بات کی — اس انداز کو بہت سے یہودی رہنما سیاسی/ملّی مسیحا کی تعبیر کے خلاف یا کم از کم

www.studyvillas.com

مختلف سمجھتے تھے۔ اس فرقِ تعبیر کی وجہ سے ان کے مسیحائی دعوے عام یہودی قیاس سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔

- **نتیجہ:** یہی فرقِ توقعات ایک بڑا سبب تھا کہ اکثریتِ یہود نے عیسیٰ کو حقیقی مسیحا نہ مانا۔

3۔ مذہبی اور فقہی اعتراضات

- **الٰہی اولاد یا الٰہی حیثیت کا انکار:** روایتی یہودیت میں خدا کی واحدانیت (توحید) کا تصور بنیادی ہے؛ کسی کو خدا کا ولد یا خدا مساوی قرار دینا توحید کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ عیسیٰ کے الٰہی ہونے کے بعض مسیحی دعوؤں کو یہودی مذہبی حلقوں نے اشتراکِ الٰہی (*shirk*/تثلیث کی شکل) سمجھا یا ان میں تضاد محسوس کیا۔

www.studyvillas.com

- **شریعت (*Torah*) کی تعبیر:** انجیلوں میں بعض مناظر میں عیسیٰ کی شریعت کی تشریح یا روایتی مذہبی عملاً اختلاف واضح ہوتا ہے (مثلاً سبت کے معاملات، وضو/پاکیزگی کے اصول، تاجرانِ معبد وغیرہ کے خلاف حرکات) — اس سے مذہبی علما میں مخالفت اُبھری۔

- **قومی و سیاسی خدشات:** اگر کوئی عوامی رہنما بڑے پیمانے پر پیروکار جمع کرے تو مذہبی اور سیاسی قیادت اپنے مقام کے خطرے کو محسوس کرتی ہے؛ یہ بھی مخالفت کی ایک وجہ بنی۔

4۔ رومی حکمرانی اور یہودی قیادت کا پیچیدہ کردار

- **رومی اقتدار کا پس منظر:** یروشلم اور فلسطین اُس دور میں رومی حکومت کے زیرِ اثر تھے؛ رومی گورنروں کے پاس موت کی سزا نافذ کرنے کا اختیار تھا جبکہ یہودی مقامی کونسلیں (*Sanhedrin*) بعض معاملات میں حدود رکھتی تھیں۔ تاریخی شواہد (بشمول جدید بائبل شناسی) اس بات کی

www.studyvillas.com

طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حتمی فیصلہ رومی چونکہ *crucifixion* (سولی پر چڑھانے) تھا، اس میں رومی حکام کا اکلوتا کردار غالب رہا۔

- **یہودی قیادت کا کردار:** انجیلوں میں بعض اوقات یہودی مذہبی سرداروں اور کاہنوں کی منظر کشی کی گئی ہے جیسا کہ وہ عیسیٰ کی مخالفت میں سرگرم تھے — تاریخی منظرنامے میں یہودی قیادت نے رومی انتظامیہ کے ساتھ چالاکی یا دباؤ کے تحت رویہ اختیار کیا ہو سکتا ہے۔ یہودی روایت میں یہودی قیادت پر عمومی طور پر یہ ملِمات اور نفاذِ قانون کی وجہ سے تنقید بھی ملتی ہے، مگر ایک واحد سادہ نتیجہ نکالنا پیچیدہ ہے — جدید تاریخ دان اس سلسلے میں محتاط تجزیہ کرتے ہیں۔

5۔ بعد از مسیح دور — ربانی و تلمودی ردِ عمل اور تواریخِ یہود میں اشارات

www.studyvillas.com

- **رابنک ادب (*Talmudic literature*) میں اشارے:** ربیانی ادب (*Talmud* و متعلقہ مڈرش) میں مسیحا یا مسیحائی شخصیات پر بعض مقامات میں ضمنی اشارے ملتے ہیں؛ البتہ براہِ راست یسوع کی تفصیلی تذکرے بہت کم و مبہم ہیں یا انہیں مختلف ناموں/افسانوں کے ساتھ جوڑا گیا۔ یہ حوالہ جات اکثر بحث طلب اور متنازعہ ہیں۔

- ***Toledot Yeshu* (تولدوت ییشوع):** یہ ایک قرونِ وسطیٰ کا یہودی دستاویزی مواد ہے جس میں یسوع کے بارے میں مخاصمانہ، جھٹلانے والے، یا طنزیہ قصے شامل ہیں — اسے تاریخی دستاویز کے طور پر نہیں بلکہ ایک قرونِ وسطیٰ کا پولیٹیکل/مذہبی ردِعمل سمجھا جاتا ہے، جو اکثر پروپیگنڈا نما اور کلی طور پر ناصادق خیالات پر مبنی ہے۔

- **قرونِ وسطیٰ کا اثر:** عیسائیت کا دباؤ اور مذہبی انتشار کی صورتحال نے بعض یہودی حلقوں کو یسوع کے خلاف تند و تلخ بیانیہ اپنانے پر مجبور

www.studyvillas.com

کیا — یوں بعض یہودی متن مسیحی بیانیے کا شعوری مخالف لکھا گیا۔

6۔ جدید یہودی تشریح *(Modern Jewish scholarship)*

- **تاریخی یسوع کی تحقیق:** جدید یہودی علماء و محققین عام طور پر عیسیٰ کو ایک تاریخی یہودی شخصیت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں—ایک یہودی واعظ، معلم، اور بعض حوالوں میں نبی یا اپوکالیپٹک مبلغ۔

- **مختلف تشریحات:** جدید تاریخی تحقیق میں عیسیٰ کو متعدد زاویوں سے دیکھا گیا ہے:

  - اپوکالیپٹک مبلغ *(Jesus as an apocalyptic prophet)* — آنے والی الٰہی مملکت کا اعلان؛

www.studyvillas.com

- حکیم یا حکیمانہ معلم *(a Jewish sage/teacher)* — امثال اور اخلاقی تعلیمات؛

- عجائبات دکھانے والا معالج/معجزہ گر *(charismatic healer)*.

- **یہودیت کا رسمی موقف:** رسمی یہودیت آج اکثر یسوع کو کسی نبی یا مسیحا کے طور پر نہیں مانتی؛ اس کو ایک یہودی پیغامبر یا معلم سمجھا جا سکتا ہے، مگر اس کے خدائی دعوؤں اور تثلیث جیسے مسیحی عقائد کو قبول نہ کرتی ہے۔

- **مسلم و مسیحی مقابلتِ نظریات سے الگ زاویہ:** بعض یہودی علماء عیسیٰ کی تعلیمات میں اخلاقی قدر تلاش کرتے ہیں، مگر دینی طور پر انہیں نجات یا الٰہی درجہ نہیں دیتے۔

www.studyvillas.com

7. سببِ انکار — یہودی دلائل مختصراً

یہودی روایات اور عقائد جس بنیاد پر یسوع کو مسیحا یا الٰہی تسلیم نہیں کرتیں، اُن میں چند اہم نکات یہ ہیں:

1. **مسیحا کی روایتی معیارات پوری نہ ہونا:** مسیحا کے آئندہ کردار میں سیاسی قیادت، بیت المقدس کی بحالی، دنیا میں امن، جلاوطنوں کی واپسی وغیرہ شامل ہیں — یسوع نے ان کو مکمل طور پر پورا نہیں کیا۔

2. **الٰہی تصور کی نفی:** یسوع کے خدائی دعوے (جسے مسیحیت میں تسلیم کیا جاتا ہے) یہودی توحید کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔

3. **دینی تحریف/روایتی اختلاف کا الزام:** بعض یہودی حلقے یہ سمجھتے ہیں کہ مسیحیت نے عبرانی صحائف میں سے نصوص کی تاویلات کو مروّج یا تبدیل کیا۔

www.studyvillas.com

4. **تاریخی و سماجی سیاسی عوامل:** رومی تسلط، مذہبی قیادت کے خوفِ اقتدار، اور گروہی مفادات نے بھی یسوع کے تئیں عمومی یہودی ردِعمل کو تشکیل دیا۔

8۔ یہودی مسیحی تعلقات کا بعدی ارتقاء

- **ابتدائی علیحدگی:** ابتدا میں متعدد یہودی عیسیٰ کے پیروکار بن گئے (ابتدائی یہودی مسیحی کمیونٹیز)، مگر جلد ہی مسیحیت نے غیر یہودی نمونہ اختیار کیا اور عنقریب یہودی فرق سے الگ ہو گئی۔

- **تناؤ اور محاذ آرائیاں:** قرونِ وسطیٰ میں مذہبی دباؤ، تبدیلیاں، اور بعض اوقات امن و انصاف کی خلاف ورزیاں دونوں فرقوں کے مابین فاصلے کو بڑھاتی رہیں۔

www.studyvillas.com

- **جدید دور میں مکالمہ:** بیسویں صدی سے بین المذاہب مکالمات نے یہودی اور مسیحی علماء کو یک دوسرے کی تاریخ، عقائد اور تنقیدی مطالعات پر بات چیت کی طرف مائل کیا — آج کئی یہودی و مسیحی مفکرین تاریخی حقیقتوں اور باہمی احترام کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔

9. خلاصۂ نکتہ وار

- حضرت عیسیٰ ایک تاریخی یہودی تھے: واعظ، معلم، اور بعض حوالوں میں معجزہ دکھانے والے۔

- اکثریتی یہود نے انہیں مسیحا یا الٰہی قبول نہیں کیا—وجوہات دینی، فقہی، اور تاریخی تھیں۔

- ابتدائی قرونِ وسطیٰ اور ربیانی ادب میں عیسیٰ کے خلاف بعض متنازعہ روایات ملتی ہیں (مثلاً *Toledot Yeshu*)، جنہیں تاریخی حوالہ کے

www.studyvillas.com

بجائے غالباً ردِ عمل اور پولیٹیکل/مذہبی مزاحمت سمجھا جاتا ہے۔

- جدید یہودی علمی رویّہ عیسیٰ کو بطورِ تاریخی کردار تسلیم کرتا ہے مگر مسیحیت کے الٰہی یا نجاتی دعووں کو قبول نہیں کرتا۔

- یہودیوں کا عمومی استدلال یہ ہے کہ مسیحا کے تقاضے (معیارات) پورے نہیں ہوئے اور توحید کی روایت کے مطابق خدائی دعوے ناقابلِ قبول ہیں۔

10. آخر میں: اعتدال و مکالمہ کی ضرورت

مسیحیت و یہودیت کے قریبی تاریخی ربط، مشترکِ مقدس کتب، اور مشابہتِ اخلاقی تعلیمات کے باوجود عقائد میں بنیادی اختلافات ہیں۔ آج کے دور میں علمی، تاریخی اور بین المذاہب مکالموں نے دونوں اطراف کو ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور احترام کے ساتھ بحث کرنے کی راہ فراہم کی ہے۔ اس ضمن میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہودی موقف کو سمجھنا صرف

www.studyvillas.com

مذہبی مخالفت کی عکاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی شناخت، تاریخی تجربے، اور مختلف مسیحائی تعبیرات کا آئینہ بھی ہے۔

سوال نمبر 4: مباہلہ سے کیا مراد ہے؟ مختصر نوٹ لکھیں۔

مباہلہ عربی زبان کا لفظ ہے جو "بَہْل" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں کسی پر بددعا دینا، لعنت کرنا یا اللہ تعالیٰ سے کسی کے جھوٹے ہونے کے بارے میں فیصلہ طلب کرنا۔ اسلامی اصطلاح میں **مباہلہ** اس عمل کو کہا جاتا ہے جب دو فریقوں کے درمیان کسی دینی یا عقیدتی مسئلے میں شدید اختلاف ہو اور دونوں اپنی اپنی سچائی پر اصرار کریں تو وہ اللہ کے حضور یہ دعا کریں کہ "جو فریق جھوٹ پر ہے، اللہ اس پر اپنی لعنت نازل فرمائے۔" یہ عمل اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب دلائل، گفتگو اور مناظرے سے فیصلہ ممکن نہ رہے۔

اسلام میں مباہلہ کا تصور قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 61 سے لیا گیا ہے۔ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے وفد سے نبی اکرم ﷺ کی گفتگو

www.studyvillas.com

کے بعد نازل ہوئی۔ نجران کے عیسائی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جبکہ اسلام کا موقف یہ ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کے نبی اور بندے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے دلائل سنے اور قرآن کی آیات کے ذریعے انہیں حق واضح کیا، مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اگر وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو ان سے **مباہلے** کی دعوت دیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"فَمَنْ حَاجَّکَ فِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ"

(آل عمران: 61)

ترجمہ: "پھر جو شخص تم سے اس علم کے بعد جھگڑا کرے جو تمہارے پاس آچکا ہے، تو کہو آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو، اپنے آپ کو اور تمہارے آپ کو بلا لیں، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔"

www.studyvillas.com

مباہلہ کا پس منظر:

جب نبی کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی، تو وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے بارے میں دلائل پیش کیے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے قرآن کے دلائل کے ذریعے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش غیر معمولی ضرور تھی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن نے اس بات کی وضاحت کی کہ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدائی کی دلیل ہے تو حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ جب عیسائیوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو مباہلے کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔

نبی ﷺ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ساتھ لے کر مباہلے کے مقام پر تشریف لائے۔ عیسائی وفد نے جب دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اہلِ بیت کے ساتھ آئے ہیں، تو ان پر رعب و خوف طاری ہوگیا۔ انہوں نے اپنے رہنما سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: "میں ان چہروں کو دیکھ رہا ہوں جن کے لیے اگر اللہ سے دعا کی گئی تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے،

www.studyvillas.com

اس لیے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔" اس طرح عیسائیوں نے مباہلے سے انکار کر دیا اور امن کے معاہدے پر رضامند ہوگئے۔

مباہلہ کے مقاصد:

مباہلہ کا مقصد کسی پر ظلم یا بددعا کرنا نہیں بلکہ یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ طلب کرنے کا ایک مقدس طریقہ ہے۔ جب تمام دلائل ختم ہو جائیں، مناظرے بے نتیجہ ہوں، اور کوئی شخص اپنی ضد سے باز نہ آئے تو اللہ سے دعا کے ذریعے فیصلہ طلب کیا جاتا ہے کہ جو جھوٹا ہے اللہ کی لعنت اس پر نازل ہو۔ یہ دراصل اللہ کے عدل پر اعتماد اور سچائی پر یقین کی علامت ہے۔

مباہلہ کی شرائط:

1. مباہلہ صرف دینی اور عقیدتی معاملات میں کیا جا سکتا ہے، دنیاوی مسائل میں نہیں۔

www.studyvillas.com

2. مباہلہ اس وقت کیا جائے جب دوسرے فریق پر دلائل قائم کر دیے گئے ہوں اور وہ ضد پر قائم رہے۔

3. مباہلہ میں شرکت کرنے والا شخص سچا، پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والا ہو۔

4. مباہلہ کے وقت خلوص نیت، ایمان کی پختگی اور یقین ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ میں مباہلہ کی اہمیت:

واقعۂ مباہلہ نہ صرف نبی اکرم ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے بلکہ اسلام کے عقیدۂ توحید کی بھی مضبوط دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی ذات یا دنیاوی فائدے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مباہلے کی دعوت دی۔ اس واقعے نے واضح کر دیا کہ اسلام کسی بھی باطل عقیدے کے سامنے جھکنے کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔

www.studyvillas.com

مباہلہ کے اخلاقی اور دینی اسباق:

1. مباہلہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ایمان اور حق پر ثابت قدم رہنا چاہیے، چاہے دنیا مخالف ہو۔

2. مباہلہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دلائل کے بعد بھی اگر کوئی حق کو رد کرے تو اس کے لیے آخری فیصلہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔

3. نبی ﷺ نے مباہلہ کے لیے اپنے اہلِ بیت کو ساتھ لیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ حق کی حمایت میں اہلِ ایمان کو متحد ہونا چاہیے۔

4. اس واقعے سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ گفتگو، مناظرہ اور دلیل کے بعد ہی کوئی فیصلہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

www.studyvillas.com

معاصر دور میں مباہلہ کا تصور:

آج کے دور میں بھی مباہلہ کا تصور موجود ہے، مگر اسے بہت احتیاط سے اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ عمل اللہ کی عدالت میں ایک گواہی پیش کرنے کے مترادف ہے۔ کسی جھوٹے یا خود غرض مقصد کے لیے مباہلہ کرنا گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ عمل صرف اس وقت کیا جانا چاہیے جب کسی دینی حق کا فیصلہ ضروری ہو اور دوسرے فریق پر تمام دلائل واضح ہو چکے ہوں۔

نتیجہ:

مباہلہ اسلام میں ایک عظیم روحانی اور عقیدتی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ محض بددعا نہیں بلکہ حق کے اظہار اور باطل کی نفی کا ایک الٰہی طریقہ ہے۔ سورۃ آل عمران میں نبی کریم ﷺ اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان مباہلہ کا واقعہ اسلام کی صداقت کی روشن مثال ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف دلیل سے نہیں بلکہ یقین، اخلاص، اور اللہ پر کامل اعتماد سے مضبوط ہوتا ہے۔ مباہلہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حق پر ڈٹے رہنا اور باطل سے سمجھوتہ نہ کرنا ایمان کی علامت ہے۔

www.studyvillas.com

سوال نمبر 5

قُلْ يَأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

(سورۃ آل عمران: آیت 64)

ترجمہ:

کہہ دو (اے نبی ﷺ) اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ

www.studyvillas.com

کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

تشریح:

یہ آیت سورۃ آل عمران کی اُن آیات میں سے ہے جن میں نبی کریم ﷺ کو اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو توحید کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ اس آیت کا پیغام نہ صرف اس وقت کے اہلِ کتاب کے لیے تھا بلکہ آج کے تمام ادیان اور ملتوں کے لیے بھی ایک عالمگیر دعوت ہے کہ سب انسان ایک مشترکہ کلمے پر متفق ہو جائیں — یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

***1.* پس منظرِ نزول:**

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ کو نجران کے عیسائیوں کے وفد سے واسطہ پڑا۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت پر اصرار کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن سے مناظرہ فرمایا اور انہیں توحید کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنے محبوب نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک ایسی

www.studyvillas.com

دعوت دیں جو عدل و انصاف پر مبنی ہو — کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور صرف اُسی کی عبادت کریں۔

یہ دراصل ایک **دعوتِ اتحاد** ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کسی مذہبی تعصب یا شدت پسندی کا حکم نہیں دیا بلکہ ایک ایسی بات کی طرف بلایا جو ہر عقلِ سلیم رکھنے والے انسان کے لیے قابلِ قبول ہے — اور وہ ہے **اللہ کی وحدانیت**۔

2. آیت کے اہم نکات کی وضاحت:

(الف) قُلْ يَأَهْلَ الْكِتٰبِ:

یعنی "اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب!" — یہاں خطاب اُن لوگوں سے ہے جنہیں اللہ نے پہلے آسمانی کتابیں عطا فرمائیں، جیسے یہود کو تورات اور نصاریٰ کو انجیل۔ ان کے لیے یہ یاد دہانی تھی کہ ان کی اصل تعلیمات بھی توحید ہی پر مبنی تھیں۔

(ب) تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ:

یعنی "آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔"

یہ الفاظ محبت، عدل اور رواداری کے ساتھ دعوت دینے کا بہترین اسلوب پیش

www.studyvillas.com

کرتے ہیں۔ اسلام کسی کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ دلائل اور حکمت کے ساتھ قائل کرتا ہے۔

(ج) أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ:

یعنی "کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔"

یہ بنیادی عقیدہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز رہا۔ عبادت صرف اس ذات کے لیے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا، رزق دیا، اور تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے۔

(د) وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا:

یعنی "اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔"

شریک ٹھہرانا صرف بتوں یا دیوی دیوتاؤں تک محدود نہیں، بلکہ کسی انسان، نبی، بزرگ یا نظام کو اللہ کے برابر سمجھنا بھی شرک ہے۔ قرآن نے اہلِ کتاب کو متنبہ کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور بعض علماء کو اللہ کے برابر حیثیت دے دی تھی۔

www.studyvillas.com

(ہ) وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ:

یعنی "اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسا درجہ نہ دیا جائے کہ اس کے احکام، اللہ کے احکام کے برابر یا اُن سے بڑھ کر سمجھے جائیں۔ اہلِ کتاب میں یہ خرابی پیدا ہوئی تھی کہ وہ اپنے علماء اور پیشواؤں کو اس درجہ پر لے آئے تھے کہ ان کے حکم کو اللہ کے حکم کے برابر مانتے تھے۔

(و) فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ:

یعنی "پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔"

یہ جملہ اعلانِ براءت ہے۔ یعنی اگر وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مؤقف واضح کر دیں کہ ہم نے تو اللہ کے حکم کے مطابق اطاعت کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔

3. آیت کے مرکزی مضامین:

(الف) توحید کی دعوت:

یہ آیت بنیادی طور پر اللہ کی وحدانیت کو اجاگر کرتی ہے۔ تمام آسمانی مذاہب

www.studyvillas.com

کی اصل تعلیم یہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اسلام نے اسی پیغام کو پھر سے زندہ کیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

(ب) شرک سے اجتناب:

اس آیت میں شرک سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اہلِ کتاب کو اس بات کی یاد دہانی کرائی گئی کہ وہ اپنے ان عقائد سے توبہ کریں جن میں انہوں نے انسانوں کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا تھا۔

(ج) مساوات اور عدل کی دعوت:

آیت میں "کَلِمَةٍ سَوَاءٍ" کا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام مساوات اور عدل کا دین ہے۔ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ بات چیت کو جھگڑے میں نہ بدلیں بلکہ ایسے اصول کی دعوت دیں جو دونوں فریقوں کے لیے برابر ہو۔

(د) مذہبی آزادی اور عزت نفس:

اسلام نے یہاں جبر کا راستہ نہیں اپنایا بلکہ اگر اہلِ کتاب حق قبول نہ کریں تو صرف اتنا کہا گیا کہ "ہم تو مسلمان ہیں۔" یعنی مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ پرامن طریقے سے اپنی پہچان برقرار رکھیں۔

www.studyvillas.com

4. اخلاقی و عملی پیغام:

1. دعوت کا بہترین طریقہ:

نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ مخالفین کو احترام کے ساتھ "آؤ" کہہ کر بلاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت میں نرمی، اخلاق، اور حکمت لازمی ہیں۔

2. بین المذاہب ہم آہنگی:

یہ آیت مذاہب کے درمیان مکالمے اور مفاہمت کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ تمام انسان مشترکہ اخلاقی اصولوں پر اکٹھے ہوں، مثلاً اللہ کی عبادت، انصاف، اور احترامِ انسانیت۔

3. ایمان کی استقامت:

اگر کوئی شخص یا قوم حق کو قبول نہ کرے، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اپنی اسلامی شناخت پر فخر کریں۔

www.studyvillas.com

4. توحید کا عالمی پیغام:

یہ آیت بتاتی ہے کہ توحید صرف مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت محمد ﷺ سب نے یہی پیغام دیا۔

5. نتیجہ:

یہ آیت اسلام کی بین المذاہب رواداری، عدل، اور عالمی پیغامِ توحید کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے اہلِ کتاب کو اس بات کی دعوت دی کہ ہم سب ایک ایسے کلمے پر متحد ہو جائیں جس میں نہ تعصب ہے، نہ فرقہ بندی، بلکہ صرف خالقِ حقیقی کی عبادت ہے۔ اس آیت میں دینِ اسلام کی روح جھلکتی ہے — یعنی **اللہ کی بندگی، شرک سے اجتناب، اور انسانیت میں مساوات۔**

اگر آج بھی انسانیت اس آیت کی تعلیمات پر عمل کرے تو دنیا میں مذہبی تصادم، نفرت، اور اختلافات کی جگہ امن، احترام، اور اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔

www.studyvillas.com

www.studyvillas.com